معراج انسانیت

سیرت حضرت خاتم الانبیاء کی روشنی میں

آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

آپؐ چالیس برس کی عمر میں مبعوث بہ رسالت ہوئے ۱۳ سال ہجرت کے قبل مکہ کی زندگی ہے اور دس سال بعد ہجرت مدینہ کی زندگی۔

یہ تینوں دور بالکل الگ الگ کیفیت رکھتے ہیں جن میں سے ہر دور بالکل یک رنگ ہے۔ کسی تلون اور غیر مستقل مزاجی کا مظہر نہیں ہے مگر وہ سب دور آپس میں بہت مختلف ہیں

پہلے چالیس برس کی مدت میں زبان بالکل خاموش اور صرف کردار کے جوہر نمایاں یہی آپ کی سچائی کا ایک نفسیاتی ثبوت ہے۔ کیونکہ جو غلط دعویدار ہوتے ہیں ان کے بیانات واظہارات کی رفتار کو دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ وہاں پہلے ان کے دل ودماغ میں تصور آتا ہے کہ ہمیں کوئی دعویٰ کرنا چاہئے مگر انہیں ہمت نہیں ہوتی اس لئے وہ کچھ مشتبہ الفاظ کہتے ہیں جن سے کبھی سننے والوں کو وحشت ہوتی ہے اور کبھی اطمینان پھر وہ رفتہ رفتہ قدم آگے بڑھاتے ہیں پہلے کوئی ایسا دعویٰ کرتے ہیں جس کو تاویلات کا لباس پہنا کر رائے عامہ کے مطابق بنایا جا سکے یا جسکی حقیقت کو صرف خاص خاص لوگ سمجھ سکیں۔ اور عام افراد محسوس نہ کریں۔ جب جھجک نکل جاتی ہے تو پھر جی کڑا کر کے کھل کر دعویٰ کر دیتے ہیں۔ اسکی قریبی مثالیں علی محمد باب اور غلام احمد قادیانی میں بہت آسانی سے تلاش کی جا سکتی ہیں۔

حضرت پیغمبر اسلامؐ کی زبان سے چالیس برس تک کوئی لفظ ایسی نہیں نکلی جس سے لوگ ادعائے رسالت کا توہم بھی کر سکتے یا کوئی بے چینی اس حلقہ میں پیدا ہوتی۔ غلط سے غلط روایت بھی ایسی نہیں جو بتائے کہ کفار نے کسی آپ کی لفظ سے ایسے دعویٰ کا احساس کیا ہو جس پر ان میں کوئی برہمی پیدا ہوئی ہو اور پھر آپ کو اس کے متعلق صفائی پیش کرنے کی ضرورت ہوئی ہو۔ بلکہ اس دور میں آپ کا کام صرف اپنی سیرت بلند کی عملی تصویر دکھانا تھی جس نے ایک مقناطیسی جذب کے ساتھ دلوں کو تسخیر کر لیا تھا اور آپ کی ہر دلعزیزی ہمہ گیر حیثیت رکھتی تھی اسکے بعد چالیس برس کی عمر میں جب دعوائے رسالت کیا تو وہ بالکل وہی تھا جو آخر تک آپ کا دعویٰ رہا۔ یہ نہیں ہوا کہ پہلے اس دعوے میں خفت ہو، پھر شدت پیدا ہو۔ یا پہلے دعویٰ کچھ

ہو اور پھر رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوئی ہو۔ اب اس دعوائے رسالت کے بعد آپؐ کو کتنے مصائب و تکالیف برداشت کرنا پڑے وہ سب کو معلوم ہیں۔ یہ پر آشوب دور تھا وہ کہ جب سر مبارک پر خس و خاشاک پھینکا جاتا تھا، جسم اقدس پر پتھروں کی بارش ہوتی تھی۔ تیرہ برس اس طرح گذرتے ہیں مگر ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ان کا ہاتھ تلوار کی طرف چلا جائے اور ارادہ جہاد کا کیا جائے۔

اگر کوئی رسولؐ کی زندگی کے صرف اس دور ہی کو دیکھتے تو یقین کرے گا کہ جیسے آپ مطلق عدم تشدد کے حامی ہیں یہ مسلک اتنا مستقل ہے کہ کوئی ایذا رسائی، کوئی دل آزاری اور کوئی طعن و تشنیع آپ کو اس راستے سے نہیں ہٹا سکتی پہلے چالیس برس ہی کی طرح اب یہ رنگ اتنا گہرا اور یہ مسلک اتنا راسخ ہے کہ اس کے درمیان کوئی ایک واقعہ بھی اس کے خلاف نمودار نہیں ہوتا۔ کوئی بے بس اور بے کس بھی ہو تو کسی وقت تو اسے جوش آ ہی جاتا ہے اور وہ جان دینے اور جان لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے پھر چاہے اسے اور زیادہ ہی مصائب کیوں نہ برداشت کرنا پڑیں۔ مگر ایک دو برس نہیں تیرہ سال مسلسل اس غیر متزلزل صبر و سکون کے ساتھ وہی گذار سکتا ہے جس کے سینہ میں وہ دل اور دل میں وہ جذبات ہی نہ ہوں جو جنگ پر آمادہ کر سکتے ہیں۔

اسی درمیان میں وقت آتا ہے کہ مشرکین آپ کے چراغ زندگی کے خاموش کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور ایک رات طے ہو جاتی ہے کہ اس رات سب ملکر آپ کو شہید کر ڈالیں اس وقت بھی رسولؐ تلوار نیام سے باہر نہیں لاتے کسی مقاومت کے لئے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ بحکم خدا شہر چھوڑ دیتے ہیں جو معرفت محمدؐ نہ رکھتا ہو وہ اس ہٹنے کو کیا سمجھے گا؟ یہی تو کہ جان کے خوف سے شہر چھوڑ دیا۔ اور پھر حقیقت بھی یہ ہے کہ جان کے تحفظ کے لئے یہ انتظام تھا مگر فقط جان نہیں بلکہ جان کے ساتھ ان مقاصد کا تحفظ جو جان کے ساتھ وابسطہ تھے بہر حال اس اقدام یعنی ترک وطن کو کوئی کسی لفظ سے تعبیر کرے مگر اسے دنیا مظہر شجاعت تو نہیں سمجھے گی اور صرف اس عمل کو دیکھ کر اگر اس ذات کے بارے میں کوئی رائے قائم کرے گا تو وہ حقیقت کے مطابق نہیں ہو سکتی بلکہ گمراہی کا ثبوت ہوگی۔

اب ترپن برس کی عمر ہے اور آگے بڑھاپے کے بڑھتے ہوئے قدم ہیں بچپنا اور جوانی کا اکثر حصہ خاموشی میں گذرا ہے پھر جوانی سے لیکر ادھیڑ عمر کی منزلیں پتھر کھاتے اور برداشت کرتے گذر رہی ہیں اور آخر میں اب جان کے تحفظ کے لئے شہر چھوڑ دیا ہے بھلا کیسے تصور ہو سکتا ہے کہ جو ایک وقت میں عافیت پسندی سے کام لیتے ہوئے شہر چھوڑ دے وہ عنقریب فوجوں کی قیادت کرتا ہوا نظر آئیگا حالانکہ مکہ ہی نہیں بلکہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی آپ نے جنگ کی کوئی تیاری نہیں کی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک سال کی مدت کے بعد جب دشمنوں کے مقابلہ کی نوبت آئی تو آپ کی جماعت میں

جو کل جمع ۳۱۳ آدمیوں پر مشتمل تھی صرف ۱۳ عدد تلواریں تھیں اور دو گھوڑے تھے ظاہر ہے کہ ایک سال کی تیاری کا نتیجہ یہ نہیں ہوسکتا تھا۔ جب کہ اس ایک سال میں تعمیری خدمات بہت سے انجام پاگئے۔ مدینہ میں کئی مسجدیں بن گئیں مہاجرین کے قیام کے لئے مکانات تیار ہوگئے۔ بہت سے دیوانی وفوجداری کے قوانین نافذ ہوگئے اور اس طرح جماعت کی مملکتی تنظیم ہوگئی مگر جنگ کا کوئی سامان فراہم نہیں ہوا اس سے بھی پتہ چل رہا ہے کہ آپ کی طرف سے جنگ کا کوئی سوال نہیں ہے مگر جب مشرکین کی طرف سے جارحانہ اقدام ہوگیا تو اس کے بعد بدر ہے، احد ہے، خندق ہے، خیبر ہے، اور حنین ہے، پھر یہ نہیں کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر فوجیں بھیجی جائیں اور فتوحات کا سہرا اپنے سر باندھا جائے بلکہ رسول خداؐ کا کردار یہ ہے کہ چھوٹے اور غیر اہم معرکوں میں تو کسی کو سردار بنا کر بھیج دیا ہے۔ مگر ہر اہم اور خطرناک موقع پر فوج کے سردار خود ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہ اصحاب کو سپر بنائے ہوئے ان کے حصار میں ہوں بلکہ اسلام کے سب سے بڑے سپاہی حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی گواہی ہے کہ جب جنگ کا ہنگامہ انتہائی شدت پر ہوتا تھا تو ہمیشہ رسول اللہؐ ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے تھے پھر یہ بھی نہیں کہ یہ قیام فوج کے سہارے پر ہو بلکہ احد میں یہ موقع بھی آ گیا کہ سوا دو ایک کے باقی سب مسلمانوں سے میدان جنگ خالی ہوگیا۔ مگر اس وقت وہ جو کچھ پہلے بظاہر جان کے تحفظ کے لئے شہر چھوڑ چکا تھا وہ اس وقت خطرہ کی اتنی شدت کے ہنگام میں جب آس پاس کوئی بھی سہارا دینے والا نظر نہیں آتا اپنے موقف سے ایک گام بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ زخمی ہوجاتے ہیں، چہرہ خون سے تر ہوجاتا ہے خود کی کڑیاں ٹوٹ کر سر کے اندر پیوست ہوجاتی ہیں۔ دندان مبارک مجروح ہوجاتے ہیں۔ مگر اپنی جگہ سے قدم نہیں ہٹاتے۔

اب کیا عقل و انصاف کی رو سے مکہ سے ہجرت کو خوف جان سے اس معنی میں سمجھا جاسکتا ہے جس سے شجاعت پر دھبہ آئے؟ ہرگز نہیں۔ یہی ہم نے پہلے کہا تھا کہ صرف اس عمل کو دیکھ کر جو رائے قائم کی جائے گی وہ گمراہی کا ثبوت ہوگی اس گمراہی کا پردہ اب اس وقت تو یقیناً چاک ہوجانا چاہئے۔ شجاعت رسولؐ کی حقیقی معرفت شیر خدا حضرت علی مرتضیٰؑ کو تھی۔ جنگ احد میں قتل محمدؐ کی آواز تھی جس نے کل فوج اسلام کے قدم اکھاڑ دیئے اور اس تصور نے علیؑ پر کیا اثر کیا۔ اسے خود آپ نے بعد میں بیان کیا ہے کہ میں نے نظر ڈالی تو رسول اللہؐ نظر نہ آئے میں نے دل میں کہا کہ دو ہی صورتیں ہیں یا وہ شہید ہوگئے اور یا اللہ نے عیسیٰؑ کی طرح انہیں آسمان پر اٹھالیا دونوں صورتوں میں میں اب زندہ رہ کر کیا کروں گا بس یہ سوچنا تھا اور نیام توڑ کر پھینک دیا اور تلوار لے کر فوج میں ڈوب گئے۔ جب فوج ہٹی تو رسولؐ نظر آئے۔ دیکھنے کی یہ چیز ہے کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو صرف یہی دو تصور ہوئے رسول شہید ہوگئے یا خدا نے آسمان پر اٹھالیا۔ یہ تو ہم بھی نہیں ہوا کہ شاید رسولؐ بھی میدان سے کسی گوشۂ عافیت کی طرف چلے گئے

ہوں۔ یہ علیؑ کا ایمان ہے رسولؐ کی شجاعت پر۔ عیسائیوں نے رسولؐ کی تصویر صرف اسی دور جنگ آزمائی کی یوں کھینچی کہ ایک ہاتھ میں قرآن ہے اور ایک ہاتھ میں تلوار۔ مگر جس طرح رسولؐ کی صرف اس زندگی کو سامنے رکھ کر وہ رائے قائم کرنا غلط تھا کہ آپ مطلق عدم تشدد کے حامی ہیں یا سینہ میں وہ دل ہی نہیں رکھتے جو معرکہ آرائی کر سکے اسی طرح صرف اس دوسرے دور کو سامنے رکھکر یہ تصویر کھینچنا بھی ظلم ہے کہ بس قرآن ہے اور تلوار ۔آخر یہ کس کی تصویر ہے؟ محمد مصطفیؐ کی نا؟ تو محمد نام تو اس پوری سیرت کی مالک ذات کا ہے جس میں وہ چالیس برس بھی ہیں اور وہ تیرہ برس بھی ہیں اور اب یہ دس برس بھی ہیں پھر اس ذات کی صحیح تصویر تو وہ ہوگی جو زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو دکھا سکے ۔ یہ صرف ایک پہلو کو نمایاں کرنے والی تصویر تو حضرت محمد مصطفیؐ کی نہیں سمجھی جاسکتی۔

پھر اس دس برس میں بھی بدر واحد، خندق وخیبر سے آگے بڑھکر ذرا حدیبیہ تک بھی تو آیئے۔ یہاں پیغمبرؐ کسی جنگ کے ارادہ سے نہیں بلکہ حج کی نیت سے مکہ معظّمہ کی جانب آرہے ہیں ساتھ میں وہی بلند حوصلہ فتوحات حاصل کئے ہوئے سپاہی ہیں جو ہر میدان سر کرتے رہے ہیں اور سامنے مکہ میں وہی شکست خوردہ جماعت ہے جو ہر میدان میں ہارتی رہی ہے اور اس وقت وہ بالکل غیر منظم اور غیر مرتب بھی ہے پھر بھی انکی حرکت مذبوحی ہے کہ وہ سدراہ ہوتے ہیں کہ ہم حج کرنے نہ دینگے عرب کے بین القبائلی قانون کی رو سے حج کا حق کعبہ میں ہر ایک کو تھا ان کا رسول کے سدراہ ہونا اصولی طور اس کے بعد بھی انہوں نے چین لینے نہ دیا بلکہ جب تک دم میں دم رہا بار بار خونریز حملہ کرتے رہے جس میں کتنے ہی عزیز اور دوست خاک وخون میں تڑپتے نظر آئے خصوصیت کے ساتھ اپنے ہمدرد چچا جناب حمزہ کا بعد قتل سینہ چاک ہوتے دیکھنا آج وہی جماعت سامنے تھی اور بالکل بے بس، اپنے قبضہ میں یہ وقت تھا کہ انکے گذشتہ تمام بہیمانہ حرکات کی آج سزادی جاتی، مگر اس مجسم رحمت الٰہی نے جب انہیں بے بس پایا تو عام اعلان معافی کر دیا۔ اور ایک قطرہ خون زمین پر گرنے نہ دیا۔

اب دنیا بتائے کہ پیغمبرؐ جنگ پسند تھے یا امن پسند، حقیقتاً انکی جنگ یا صلح کوئی بھی جذبات کی بنا پر نہ تھی بلکہ فرائض کے ماتحت کام ہوتا تھا جس وقت فرض کا تقاضا خاموشی تھی خاموش رہے اور جب حالات کے بدلنے سے ضرورت جنگ کی پڑ گئی جنگ کرنے لگے پھر جب امکان صلح پیدا ہوگیا اور بلندی اخلاق کا تقاضا صلح کرنا ہوا تو صلح کر لی ۔اور جب دشمن بالکل بے بس ہوگیا تو عفو وکرم سے کام لیکر اسے معاف کر دیا۔

یہ سب باختلاف حالات فرائض کی تبدیلیاں ہیں جو آپ کے کردار میں نمایاں ہوتی رہی ہیں۔

فرائض کی یہی پابندی طبیعت کے دباؤ سے جتنی آزاد ہو وہی معراج انسانیت ہے۔